© rasailojaraid.com

حافظ ابن حبان نے کہا کہ جن ہشام سے تم روایت کر رہے ہو، وہ ۲۴۵ھ میں وفات پا چکے ہیں۔ اسی طرح عبداللہ بن اسحاق کرمانی نے محمد بن یعقوب سے حدیث سننے کا دعویٰ کیا، اس سے کہا گیا کہ محمد تو تمہاری پیدائش سے نو سال پہلے مر چکے ہیں۔ ایک دوسرے شخص محمد بن حاتم کشی نے عبد بن حمید سے حدیث سننے کا دعویٰ کیا، تو ابو حاکم ابو عبداللہ نے اس پر تعریض کرتے ہوئے فرمایا کہ اس شیخ نے عبد بن حمید سے ان کی موت کے تیرہ سال بعد یہ حدیث سنی ہے۔

مسلم کے مقدمہ میں مذکور ہے کہ معلی بن عرفان نے ابو وائل کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کی کہ ابن مسعود ہمارے ساتھ جنگ صفین میں لڑنے کے لیے نکلے تھے۔ ابو نعیم فضل بن دکین نے معلی سے پوچھا کہ کیا ابن مسعود مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہوئے تھے؟ کیونکہ ابن مسعود ۳۲-۳۳ھ میں حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ ختم ہونے سے دو تین سال پہلے ہی رحلت فرما چکے تھے۔

اس طرح کے حالات میں فیصلہ کن سند تاریخ ہی قرار دی جا سکتی ہے، جس کے اندر راویوں کی جائے پیدائش، ان کے سفر و اقامت، ان کے شیوخ کے حالات اور ان کی سنین وفات وغیرہ سے بحث کی گئی ہو۔

اسی غرض کے لیے علم طبقات کی تدوین کی گئی جس نے بعد میں مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی۔ علمائے حدیث کے نقد کا سارا دارو مدار اسی فن پر ہے۔ حفص بن غیاث نے لکھا ہے کہ جب تم کسی شیخ پر نقد کرو تو اس کے اور اس کے شیخ کے سنین وفات و پیدائش کا ضرور محاسبہ کرو۔

۴۔ وضع کی علامت کبھی کبھی راوی کے حالات و نفسیات سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ حاکم نے سیف بن عمرو تمیمی سے ان الفاظ میں روایت کی ہے "ہم لوگ سعد بن طریف کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثنا میں اس کا بچہ اسکول سے روتا ہوا آیا، اس نے اس کے رونے کا سبب پوچھا، بچے نے بتایا کہ اس کے معلم نے اسے مارا ہے۔ سعد نے کہا کہ میں ان کو رسوا کر کے چھوڑوں گا، اور پھر یہ حدیث بیان کی کہ میں نے عکرمہ سے اور عکرمہ نے عباس سے اور عباس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنکر بیان فرمایا کہ "تمہارے بچوں کے معلمین بڑے برے لوگ ہیں، یہ یتیموں پر رحم نہیں کرتے اور مسکینوں پر سختیاں کرتے ہیں۔"

© rasailojaraid.com

اسی طرح کی ایک حدیث یہ ہے کہ ہر لیسہ (ایک قسم کا حلوی) ریڑھ کو مضبوط کرتا ہے، اس کا واضع محمد بن حجاج نخعی ہے، یہ ہر لیسہ بیچا کرتا تھا۔

متن کی علاماتِ وضع | متنِ حدیث کے موضوع ہونے کی بھی بہت سی علامات ہیں، اہم اہم یہ ہیں:۔

ا۔ الفاظِ حدیث اتنے رکیک اور اوچھے ہوں کہ عربی علم کلام کے اسرار و رموز جاننے والے، فوراً یہ معلوم کر لیں کہ اس طرح کا رکیک اور پوچ کلام کسی فصیح و بلیغ انسان سے ہرگز نہیں صادر ہو سکتا، کجا کہ اس کی نسبت منبعِ فصاحت و بلاغت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے۔ حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں کہ "ایسا اس وقت ہوتا ہے، جب بیان کردہ حدیث میں یہ صراحت موجود ہو کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں۔

ابن دقیق العید لکھتے ہیں کہ بعض اوقات محدثین کسی حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ حدیث کے الفاظ کی بنا پر کرتے ہیں، موصوف کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں کے اندر، حدیث کے الفاظ کی کثرتِ ممارست کے سبب، اتنا قوی ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ باول نظر یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ نبی کا کلام ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بلقینی فرماتے ہیں کہ اس کو مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک خادم اپنے کسی آقا کی سالہا سال تک خدمت کرتے کرتے، اس کی پسند و ناپسند سے خوب اچھی طرح واقفیت حاصل کر لیتا ہے، اب کوئی شخص اٹھتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ تمہارا آقا فلاں چیز ناپسند کرتا ہے، حالانکہ خادم کو معلوم ہے کہ ایسا نہیں ہے، لہٰذا وہ فوراً اس کی تکذیب کر دیتا ہے۔

۲۔ حدیث کا متن ایسے معنی پر مشتمل ہو، جو بدیہیات کے خلاف ہو اور اس کی کوئی تاویل بھی ممکن نہ ہو مثلاً: "نوحؑ کے سفینہ نے بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کیا اور مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی" یا قانون و اخلاق کے مسلمات کے خلاف ہو، مثلاً ترکی ظلم اور عربی عدل دونوں یکساں حیثیت رکھتے ہیں" یا اس سے شہوت کو شہہ ملتی ہو اور فتنہ کا موجب ہو مثلاً "خوش چہرے کو دیکھنے سے بصارت کو تقویت اور جلاء حاصل ہوتا ہے" یا حس و مشاہدہ سے ٹکراتی ہو، مثلاً "ایک صدی کے بعد کوئی بچہ نہیں پیدا ہوگا، اس لیے کہ اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں باقی رہے گی" یا طب کے متفق علیہ اصولوں کے خلاف ہو، مثلاً "بینگن ہر مرض کی دوا ہے" یا اس سے خدا کی تقدیس و تنزیہ

© rasailojaraid.com

پر حرف آتا ہو، مثلاً "خدا نے گھوڑا پیدا کیا اور اس کو دوڑایا، جب وہ پسینے پسینے ہو گیا، تو اس سے اپنے آپ کو پیدا کیا"۔ یا تاریخی مسلمات کا ساتھ نہ دیتی ہو اور کائنات و انسان کے اندر خدا کے کسی اٹل قانون اور کارفرما سنت کی نفی کرتی ہو، مثلاً "عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز لمبا تھا، نوح علیہ السلام نے طوفان کے وقت اسے ڈوبنے سے ڈرایا، تو اس نے کہا کہ تم مجھے اپنے پیالے (یعنی کشتی) میں سوار کر لو" روایت میں آگے آتا ہے کہ "طوفان کا پانی اس کے ٹخنوں تک بھی نہیں پہنچا" اور یہ بھی آتا ہے کہ "وہ اپنا ہاتھ سمندر کی تہ میں ڈال کر مچھلیاں پکڑ لیتا تھا اور سورج کی آنچ پر بھون کر کھاتا" اسی طرح رتن ہندی کے متعلق بھی ایک حدیث مشہور ہے کہ "وہ چھ سو سال تک زندہ رہا اور اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ مبارک پایا"۔ یا یہ کہ حدیث ایسے اوہام و خرافات پر مشتمل ہو جن کا صدور کسی صاحب عقل و خرد سے متصور ہی نہ ہو مثلاً "سفید مرغ میرا اور میرے محبوب جبریل کا محبوب ہے"۔ اور مثلاً "پرندہ کبوتر پالو، اس لیے کہ وہ بچوں کو جنوں اور بھوتوں پریتوں کے اثر سے محفوظ رکھتا ہے"۔ اس طرح کی تمام غیر معقول روایات ناقابل تسلیم ہیں۔ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ کتنی صداقت کا ثبوت پیش کیا ہے یہ کہنے والے نے کہ "ہر وہ حدیث جو خلاف عقل ہو، نقل سے متصادم ہو، اور اصول کے منافی ہو، اس کے متعلق یہ فیصلہ کر لو کہ موضوع ہے"۔ موصوف اپنی کتاب اصول میں لکھتے ہیں کہ "ہر وہ خبر جو وہم پیدا کرے اور اس کی تاویل نہ بن پڑتی ہو، وہ غیر صحیح ہے اور ہم اس کی قطع و برید کر کے اس کے اندر سے شک و ریب کے تمام عناصر الگ کر دیں گے۔

۳۔ تیسری علامت یہ ہے کہ حدیث کا متن صریح نصوص قرآنی کی نفی کرتا ہو اور اس کی تاویل نہ کی جا سکتی ہو، مثلاً: "ناجائز بچہ خود اور اس کی آنے والی سات نسلیں جنت میں نہیں داخل ہو سکتیں" یہ حدیث قرآن کی اس آیت کی عین ضد ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (کوئی فرد کسی دوسرے کے جرم کی پاداش نہیں بھگتے گا)۔ یہ جعلی حدیث توراۃ سے ماخوذ ہے، اس لیے کہ یہ حکم وہیں ملتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی حدیث کسی صریح اور متواتر سنت سے ٹکراتی ہو تو وہ قابل قبول نہ ہو گی۔ مثلاً "جب میرا حوالہ دے کر کوئی بات کہی جائے اور حق و صداقت کے مطابق ہو تو تم اسے مان لو، خواہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ بات مَیں نے حقیقتاً کہی ہو یا نہ کہی ہو" مذکورہ حدیث اس متواتر اور صریح حدیث کی نقیض ہے کہ "جس شخص نے قصد و ارادے سے میری طرف کوئی غلط بات منسوب کی، اس کو آگ میں اپنا ٹھکانا بنا لینا چاہیے"

اگر قرآن و حدیث سے ماخوذ عام قواعد و ضوابط سے کوئی حدیث مطابقت نہ رکھتی ہو تو وہ ناقابلِ اعتبار ہوگی۔ مثلاً: جس آدمی کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا اور وہ اس کا نام محمدؐ رکھے، تو وہ بچّہ اور باپ دونوں جنتی ہونگے" اور مثلاً مَیں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہوگا، اس کو جہنم میں نہیں داخل ہونے دونگا" نجات کا دارومدار اعمالِ صالحہ پر ہے نہ کہ اسماء و القاب پر۔

اگر حدیث اجماعِ امت کے خلاف ہو تو وہ بھی غلط متصور ہوگی۔ مثلاً "جس نے اپنی فوت شدہ نمازوں کو جمعۃ الوداع کے دن ادا کیا، اس کی تمام نمازیں ستر سال تک معاف ہو جائیں گی" یہ حدیث اس اجماع کے خلاف ہے کہ فوت شدہ نماز کی کوئی عبادت قائم مقامی نہیں کر سکتی۔

۴۔ چوتھی علامت یہ ہے کہ حدیث کا متن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کے مشہور و معروف تاریخی حقائق کے خلاف ہو، مثلاً: "آنحضورؐ نے اہلِ خیبر پر جزیہ فرض کیا اور ان سے بیگار لینا معاف کر دیا۔ اس وثیقہ پر سعد بن معاذ کی گواہی ثبت تھی اور اس کو معاویہ بن ابی سفیان نے تحریر فرمایا تھا" حالانکہ تاریخی طور سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے کہ جزیہ کو اس سال تک نہ تو عرف عام کی حیثیت حاصل ہوئی تھی اور نہ شرعی ہی قرار دیا گیا تھا۔ جزیہ کی آیت غزوۂ تبوک کے سال نازل ہوئی تھی اور سعد بن معاذ اس سے پہلے ہی غزوۂ خندق میں وفات پا چکے تھے، نیز معاویہ فتح مکہ کے وقت ایمان لائے تھے۔ تاریخی حقائق اس حدیث کی تردید کرتے ہیں اور ان سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث موضوع اور غلط ہے۔ اسی ضمن میں یہ حدیث بھی آتی ہے کہ "حمام میں ننگے داخل ہونا حرام ہے" اس لیے کہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی حمام میں نہیں داخل ہوئے، کیونکہ اس وقت تک حجاز میں حمام کا رواج ہی نہیں تھا۔

۵۔ پانچویں علامت یہ ہے کہ حدیث کا متن راوی کے مسلک و مذہب کے موافق ہو اور وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے مسلک میں کٹر اور متعصب بھی ہو۔ مثلاً کوئی رافضی اہلِ بیت کی فضیلت میں یا فرقۂ "مرجیہ" کا کوئی فرد مذہبِ "ارجاء" کی حمایت میں کوئی روایت کر رہا ہو۔ مثلاً: حبہ بن جُوَین نے روایت کی ہے کہ "میں نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ "میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اس اُمت کے ہر فرد سے پہلے پانچ یا سات سال تک عبادت کی ہے۔" ابن حبان فرماتے ہیں کہ حبہ غالی شیعہ اور غیر ذمہ دار راوی تھا۔

۶۔ چھٹی علامت یہ ہے کہ متنِ حدیث ایسے امر کا حامل ہو، جس کا بکثرت روایت کیا جانا ضروری ہو، اس لیے کہ یہ بات تو بعید از عقل ہے کہ حدیث پیش آئی ہو کسی مجمع عظیم میں اور اس کو روایت کر رہا ہو صرف ایک ہی راوی۔ اسی لیے علماء اہلِ سُنّت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ "غدیر خم" والی حدیث موضوع ہے، علماء کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے پیش آنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے صحابہ کے ایک مجمع عظیم میں، پھر یہ کیونکر ممکن ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت، اس حدیث کے اخفاء پر اتفاق کر لیا گیا، یہ بات بعید از قیاس اور عادتاً محال و مستحیل ہے۔ اس حدیث میں رافضہ کا منفرد ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث غلط اور موضوع ہے۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ "اسی باب میں حضرت علی کی خلافت کی وصیت والی حدیث بھی داخل ہے، یہ حدیث مختلف طریقوں سے غیر صحیح ہے، اس حدیث کو کسی بھی اسنادِ صحیح کی حمایت حاصل نہیں، چہ جائیکہ یہ متواتر ہو، ہمیں کہیں بھی یہ ثبوت نہیں ملتا کہ اس حدیث کو کسی نے کبھی رازدارانہ طور ہی پر صحیح بیان کیا ہو، حالانکہ سقیفہ کی نزاع کے دن جو کچھ ہوا وہ سب پر عیاں ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کی شہادت واقع ہوتی ہے اور خلافت کا معاملہ چھ آدمیوں کی ایک شورائی کونسل کے حوالہ کر دیا جاتا ہے، اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ بھی شہید کر دیے گئے اور لوگوں کے اندر حضرت علیؓ کے خلیفہ بنائے جانے کے بارے میں اختلافات ہوئے تو اس وقت بھی جو کچھ ہوا وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ اگر یہ حدیث موجود ہوتی اور مسلمانوں کو اس کا علم ہوتا، تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ اس کو دوسرے اختلافی مسائل کی طرح ذکر نہ کرتے۔ خصوصیت کے ساتھ اس صورت میں جب کہ اس قسم کی حدیث کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذکر کیے جانے کے مواقع اور اسباب و دواعی بکثرت موجود تھے، ان تمام وجوہ کے ہوتے ہوئے اس حدیث کا بیان نہ کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث سرے سے حدیث ہی نہیں۔"

ابن حزم کہتے ہیں کہ ہم نے اس مفروضہ حدیث کے متعلق صرف ایک روایت سنی ہے، جس کا سلسلہ ایک مجہول راوی سے شروع ہوتا ہے اور ایک دوسرے الحمراء نامی مجہول الحال راوی پر ختم ہوتا ہے، ہم نہیں جانتے کہ اس کا وجود انسانوں کی آبادی میں تھا بھی یا نہیں؟

۷۔ ساتویں علامت یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے اعمال کے عوض ناقابل تصور ثواب کی امید دلائی گئی ہو اور معمولی معمولی گناہوں کے بارے میں سخت مبالغہ آمیز وعید اور دھمکی سنائی گئی ہو۔ اس قسم کی احادیث قصہ گو واعظوں نے، لوگوں کے دلوں کو موم بنانے اور ان کے جذبۂ اعجوبہ پسندی سے داد حاصل کرنے کے لیے، بکثرت وضع کیں، مثلاً: "جس شخص نے چاشت کی نماز اتنی رکعت پڑھی، اسے ستر نبیوں کا ثواب عطا کیا جائے گا۔" اور مثلاً: "جس شخص نے لا الٰہ الا اللّٰہ کی شہادت دی اللّٰہ تعالیٰ اس کے لیے ایک پرندہ پیدا کرے گا جس کے ستر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہوں گی، اور وہ اپنی ہر زبان سے، ستر ہزار زبانیں بول سکے گا اور اس شخص کی سلامتی کے لیے ہر وقت دعا گو رہے گا۔"

یہ وہ اہم اور بنیادی قواعد وضوابط تھے، جنہیں علماء نے نقدِ حدیث اور صحیح وغلط حدیث کی پہچان کے لیے وضع کیا۔ اوپر کی تفصیل سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ علماءِ حدیث نے متن کو نظر انداز کر کے صرف سند ہی کے نقد تک اپنی جدوجہد اور توجہ کو محدود نہیں رکھا، جیسا کہ بعض مستشرقین اور ان کے حواریوں کا خیال ہے، بلکہ جس طرح ان کے نقد کا ہدف سند ہے اسی طرح متن بھی ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہو گا کہ کس باریک بینی اور کمالِ فن سے انہوں نے وضع کی علامتیں متعین کیں، چار سند کی اور سات متن کی۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ فنی ذوق کو بھی احادیث کے نقد اور رد وقبول میں کارفرما کیا۔ بعض اوقات کسی حدیث کو محض سن کر رد کر دیا، اس لیے کہ ان کا فنی ذوق اسے قبول کرنے سے انکار کرتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ بعض اوقات وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث پر تاریکی ہے، یا اس حدیث کا متن تاریک ہے، یا قلب اسے قبول نہیں کرتا، یا ضمیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے ماننے سے انکاری ہے۔ ربیع بن خثیم فرماتے ہیں کہ بعض حدیثوں میں دن جیسی روشنی ہوتی ہے اور ہم ان کو اس روشنی کے ذریعہ پہچان لیتے ہیں اور بعض حدیثوں پر رات جیسی تاریکی ہوتی ہے اور ہم ان کو اس تاریکی کے ذریعے معلوم کر لیتے ہیں۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ منکر حدیث سنکر طالب حدیث کا رونگٹا رونگٹا کانپ اٹھتا ہے اور اس کا قلب نفرت و انقباض محسوس کرتا ہے۔

موضوع حدیث سے متعلق مزید بحث مستشرقین اور ان کے ہم خیالوں پر بحث کے وقت آئیگی۔

"سنتِ رسولؐ" ایک طویل مقالہ ہے، جو مصر کے مشہور ماہوار رسالہ "المسلمون" میں قسط وار شائع ہوتا رہا ہے، مقالہ نگار جناب مصطفےٰ حسنی سباعی (سابق نائب صدر شامی پارلیمنٹ) نے ضعیف حدیثوں کا ذکر کرتے ہوئے "غدیر خم" والی حدیث (جس میں حضرت علی کی خلافت کی وصیت مذکور ہے) پر سخت تنقید کی ہے۔ اسے پڑھ کر ایک شیعی عالم نے اڈیٹر "المسلمون" کو ایک خط لکھا، پھر سباعی نے اس کا جواب لکھا، ذیل میں دونوں سوال و جواب نقل کیے جاتے ہیں

(مترجم)

شیعی عالم کا خط

"آج ہم جس موضوع پر خط لکھ رہے ہیں، ہم قطعاً نہیں چاہتے تھے کہ اس طرح کی بحث پر قلم اُٹھائیں۔ بلکہ ہماری ہمیشہ یہی خواہش رہی ہے کہ اس طرح کی اختلافی چیزوں سے بالاتر ہو کر، صرف انہی بلند مقاصد کو پیش نظر رکھیں، جن کے مبارک آثار آج ہمیں اسلامی اتحاد کے مشن کے حامل مسلم زعماء کے اندر نظر آرہے ہیں، مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض قلم اس مشن کا حق ادا کرنے کے بجائے موقع پاکر دوسروں کے جذبات کو مجروح کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ اپنے اندر یہ جرأت تو پاتے نہیں کہ دوسروں پر فرقہ پرستانہ رنگ میں حملہ کریں، اس لیے اصول کی آڑ لے کر اپنی بھڑاس نکالتے ہیں۔ اسی طرح کی ایک چیز ہمیں نے رسالہ "المسلمون" میں "سُنّت" کے عنوان سے پڑھی، یہ رسالہ اس جماعت کے مرکز مصر سے نکلتا ہے، جو مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور گروہوں کے درمیان اختلافات کی خلیج کو پاٹنے کے لیئے قائم کی گئی تھی۔ اس رسالے کے متعلق اب تک ہم یہی سمجھتے آئے ہیں کہ یہ الشہاب مرحوم کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرا ایڈیشن ہے، جو اس تحریک کے بانی شہید حسن بنا مرحوم کی زیرِ ادارت نکلتا تھا، یہ جماعت مسلمانوں کے مختلف گروہ اہلِ سنت، امامیہ اور زیدیہ وغیرہ سبھی کے امتزاج سے بنی تھی، اور اس رسالے کے نام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی فرقہ کا اجارہ نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا مشترک ترجمان ہے، پھر یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ اس کے اندر سنت سے متعلق ایسے مقالات شائع ہوں جن سے دوسروں کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہو۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ مقالہ نویس بزرگ کو کس بات نے مجبور کر دیا کہ وہ غیر معتبر احادیث یا ان کے قول کے مطابق موضوع احادیث کے ساتھ غدیرِ خم والی حدیث کو بھی لے جا ملائیں۔

بزرگ موصوف فرماتے ہیں کہ اس مفروضہ حدیث کے متعلق ہمیں صرف ایک کمزور حدیث ملتی ہے جو ایک مجہول راوی سے شروع ہوتی ہے اور دوسرے ابوالحمراء نامی مجہول الحال راوی پر ختم ہو جاتی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ابوالحمراء کا وجود بھی تھا یا نہیں"

موصوف نے اسی پر بس نہیں کیا ہے، بلکہ دوسروں کو رافضہ جیسے لقب سے بھی نوازا ہے، اور محترم کی رائے کے مطابق اگر رافضہ کسی حدیث کی روایت میں منفرد ہوں تو یہ امر اس کے غیر صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ ہم ایڈیٹر "المسلمون" کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ وہ مقالات کو شائع کرنے سے پہلے ان کی اچھی طرح چھان بین کر لیا کریں اور اپنے رسالہ میں زہر کا بیج بونے کی اجازت نہ دیں۔

حدیث خم ایسی حدیث نہیں ہے جسے صرف ایک ہی گروہ نے روایت یا تسلیم کیا ہو اور نہ اُس کے رُواۃ مجہول ہیں۔ اس حدیث یا اس کے راویوں کے متعلق جو بحثیں علماء نے کی ہیں ان میں سے چند مشتے از خروارے کے اصول پر لفظ بلفظ پیش کرتے ہیں، تاکہ فاضل مقالہ نویس کو معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث تقریباً متواتر کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہے، اس لیے موصوف کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسروں پر عیب چینی کی غرض سے سنتِ رسول سے کھیل کھیلیں۔

"جامع للاسانید" (ص ۱۰۵) میں آتا ہے کہ "اہلِ سنت کی روایت کے لحاظ سے بھی اس حدیث کے متواتر ہونے میں کوئی شک نہیں"۔ فتاویٰ حامدیہ کے مصنف نے اپنی کٹر مزاجی کے باوجود اپنے مختصر کتابچہ "صلوات فاخرہ" میں اس حدیث کے متواتر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ سیوطی اور دوسرے حفاظ نے بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بھی یہی رائے ہے۔ مشہور مفسّر اور مورخ محمد بن جریر طبری، احمد بن محمد بن سعید بن عقبہ اور احمد بن عثمان ذہبی نے اس حدیث کے مختلف طریقہائے اِسناد سے بحث کی ہے اور ہر ایک نے اس سے متعلق الگ الگ رسالے تصنیف کیے ہیں۔ ابن جریر نے اس کو اپنی کتاب میں ۷۵ طریقوں سے بیان کیا ہے۔ ابن عقبہ نے اپنے رسالے میں ۱۰۵ طریقوں سے۔ "غایۃ المرام" کے مصنف نے اپنی کتاب (باب ۱۶ ص ۸۹) میں لکھا ہے کہ ابن جریر نے حدیث "غدیر" کو اپنے رسالے میں جس کا نام "کتاب الولایۃ" ہے، ۹۵ طریقوں سے اور ابن عقبہ نے اپنے رسالے میں اسی حدیث کو ۱۰۵ طریقوں سے بیان کیا ہے۔ امام احمد بن محمد بن الصدیق مغربی نے لکھا ہے کہ ذہبی اور ابن عقدہ دونوں نے اس حدیث کے لیے علیحدہ علیحدہ رسالے مرتب کیے ہیں۔ ذہبی نے، باوجود اپنے متشدد ہونے کے، اس حدیث کو متعدد طریقہائے اسناد سے صحیح قرار دیا ہے۔ غایۃ المرام کے سولھویں باب میں حدیث غدیر سے متعلق ۸۹ روایتیں اہلِ سنت کے حوالہ سے منقول ہیں، حالانکہ اس کتاب میں ترمذی، نسائی، طبرانی، بزاز، ابو علی اور بہت سے دوسرے محدثین کی بیان کردہ احادیث مذکور نہیں۔ سیوطی نے اپنی کتاب "تاریخ الخلفاء" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات کے ضمن میں یہ حدیث ترمذی سے نقل کی ہے۔ احمد نے اسی حدیث کو علی، ابو ایوب انصاریؓ، زید بن ارقم، عمر اور ذی مُر سے نقل کیا ہے اور آگے لکھا ہے کہ ابو یعلیٰ نے ابو ہریرہ، اور طبرانی نے ابن عمر، مالک بن حُوَیرث، وحشی بن جنادہ، جریر، سعد بن وقاص، سعید خدری اور انس سے یہی حدیث روایت کی ہے۔ پھر لکھا ہے کہ بزاز نے ابن عباس، عمارہ اور بریدہ سے یہی حدیث نقل کی ہے۔

دوسری دلیل جس سے اس حدیث کے عام اور مشہور ہونے کا پتہ چلتا ہے وہ روایت ہے جسے امام بن احمد نے اپنی مُسند میں ریاح بن الحرث کے حوالہ سے دو طریقوں سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ "کچھ لوگ حضرت علی کے پاس آئے اور کہا "السلام علیک یا مولانا۔ آپ پر سلامتی ہو اے ہمارے آقا"۔ حضرت علیؓ: "آپ لوگ کون ہیں؟" لوگ: "آپ کے غلام اے امیر المومنین" حضرت علی: "مَیں تمہارا آقا کیسے ہو سکتا ہوں، حالانکہ تم قومِ عرب سے تعلق رکھتے ہو" لوگ: "ہم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غدیرِ خم کے موقع پر یہ فرماتے سنا ہے، کہ "جس کا مَیں مولا ہوں، اس کا یہ علیؑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی مولا ہے۔" رباح کہتے ہیں کہ "جب یہ لوگ رخصت ہوئے، تو میں ان کے پیچھے ہو لیا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں، لوگوں نے بتایا کہ یہ انصار ہیں اور ان میں ابوایوب انصاری بھی ہیں۔"

ابواسحاق ثعلبی نے اپنی ضخیم تفسیر میں سورۂ معارج کی تفسیر کرتے ہوئے اس حدیث کو دو معتبر حوالوں سے ذکر کیا ہے، یہ اس کے متواتر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ حدیث یہ ہے: "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مقامِ غدیر خُم میں فروکش تھے، تو لوگوں کو جمع کیا، اور حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ "من کنتُ مولاہ فعلی مولاہ۔ جس کا میں مولا یا آقا ہوں، اس کا علی بھی" یہ خبر بجلی کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی، حارث بن نعمان فہری کو جب اس حدیث کا پتہ چلا، تو وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر سیدھے آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمدؐ تم نے ہم کو یہ حکم دیا کہ ہم خدا کی وحدانیت اور تمہاری رسالت کی تصدیق کریں اور ہم نے ایسا ہی کیا، تم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم رمضان کے روزے رکھیں اور حج ادا کریں، ہم نے یہ بھی کیا لیکن تم نے اتنے ہی پر بس نہیں کیا اور اب اپنے چچازاد بھائی کا شانہ اونچا کرنا چاہتے ہو اور یہ کہہ رہے ہو کہ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" تم یہ بات اپنی طرف سے پیش کر رہے ہو یا خدا کی جانب سے؟" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خدا کی قسم یہ خدا کی جانب سے ہے۔" حارث یہ سن کر اُٹھ کھڑا ہوا اور یہ کہتا ہوا اپنی سواری کی طرف بڑھا کہ "اے خدا اگر محمدؐ صحیح کہہ رہا ہے، تو ہم پر پتھر کی بارش کر دے یا عبرتناک عذاب نازل کر دے۔" وہ ابھی اپنی سواری تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کھوپڑی پر ایک پتھر دے مارا، جو اس کا جسم چیرتا ہوا، شرمگاہ کے راستہ سے باہر نکل گیا اور وہ جاں بحق ہو گیا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "سأل سائل بعذاب واقع ... الخ"۔ لفظ بلفظ حدیث کی عبارت ہے اور اس حدیث کو بہت سے چوٹی کے اہلِ سنت علماء نے بطور مسلمات کے ذکر کیا ہے۔

یہ خط آپ کی خدمت میں اس لیے بھیج رہا ہوں تاکہ آپ مناسب کارروائی کریں۔

سیاحی صاحب کا جواب میں نے اپنے مقالہ "سنت" کی چھٹی قسط میں، جو "المسلمون" کے سال اوّل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے چھٹے پرچہ میں شائع ہوئی تھی، ان اسباب پر بحث کی تھی، جو وضعِ حدیث کا محرک بنے، منجملہ ان اسباب کے ایک سبب اُن سیاسی اختلافات کو قرار دیا تھا، جو صحابہ اور ان کے بعد کے عہد میں رونما ہوئے، اس سلسلے میں جو مثالیں میں نے پیش کی تھیں ان میں ایک "غدیر خم" والی حدیث بھی تھی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت غدیر خم کے مقام پر لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ "یہ میرا وصی، میرا بھائی اور میرے بعد ہونے والا خلیفہ ہے۔ اس کی سننا اور اطاعت کرنا"
اس کے بعد مَیں نے عرض کیا تھا کہ یہ حدیث موضوع اور رافضہ کی گھڑی ہوئی ہے مَیں نے وعدہ کیا تھا کہ اس حدیث سے متعلق مزید بحث آئندہ آئے گی۔

چنانچہ مَیں نے اپنے اسی مقالہ کی آٹھویں قسط میں، جو "المسلمون" کے سالِ اوّل کے آٹھویں شمارے میں چھپی تھی، وضعِ حدیث کی علامتوں پر بحث کرتے ہوئے، ایک علامت یہ بھی قرار دی کہ حدیث کے اندر کوئی ایسا وصف پایا جائے، جو اس کے بکثرت روایت کیے جانے کا متقضی ہو، اور وہ روایت کی گئی ہو ایک ہی طریق سے، اور مثال کے طور پر مَیں نے غدیر خم والی حدیث پیش کی تھی اور لکھا تھا کہ اس حدیث کے بارے میں علمائے اہل سنت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ موضوع ہے، ان کی اسی رائے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مَیں نے کہا تھا کہ اس حدیث میں وضع کی علامت یہ ہے کہ اس کے پیش آنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ایک بھرے مجمع میں، پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ ان تمام صحابہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت اس حدیث پر پردہ ڈالنے کی متفقہ سازش کر لی، یہ عادتاً ناممکن اور محال ہے۔ اسی ضمن میں مَیں نے ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کیا تھا کہ "اس حدیث کو کسی بھی اسنادِ صحیح کی تائید حاصل نہیں ہے، کجا کہ اس کو متواتر تصور کر لیا جائے"۔ مَیں نے ابن حزم کا یہ قول بھی نقل کیا تھا کہ "ہمیں اس مفروضہ حدیث کے متعلق صرف ایک کمزور روایت ملتی ہے، جسے ایک مجہول الحال راوی نے ایک دوسرے مجہول الحال راوی سے نقل کیا ہے، جس کا نام اگرچہ ابو الحمراء بتایا جاتا ہے، لیکن ہم نہیں جانتے کہ اس نام کا کوئی آدمی تھا بھی یا نہیں"۔

اوپر مَیں نے جس حدیث کی تردید میں علماء کے اقوال نقل کیے ہیں، وہ آپ کو سنت کی کسی بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معتمد علیہ کتاب میں نہیں مل سکتی اور وہ میرے نزدیک واقعتاً غیر صحیح ہے۔ اس لیے کہ ہم کسی بھی صحابی کو ــــ حضرت علیؓ کو بھی ــــ سقیفہ کی نزاع کے موقع اس حدیث سے استدلال کرتے نہیں دیکھتے اور اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کی وصیت علانیہ حضرت علیؓ کے حق میں کی تھی تو یہ بات صحابہ پر مخفی نہ رہتی، اور یہ بات تو اور بھی بعید از عقل ہے کہ صحابہ کو اس حدیث کا علم تو تھا، مگر انہوں نے اس کے اخفاء کی قسم کھا رکھی تھی، ہماری اس رائے سے انصاف پسند اکابر علماء شیعہ بھی اتفاق رکھتے ہیں، ابن ابی الحدید لکھتا ہے: "آثار اس باب میں (خلافت کے مسئلہ میں) کثرت سے منقول ہیں، لیکن جو بھی ان پر منصفانہ نگاہ سے غور کرے گا، اس پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ اس طرح کی کوئی صریح نص موجود نہیں ہے۔" آگے مزید لکھتا ہے: "جو واقعات آنحضور کی وفات کے بعد پیش آئے، اگر ان پر کوئی منصف مزاج آدمی ٹھنڈے دل سے غور کرے تو حتمی طور پر یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ یہ حدیث بے بنیاد ہے۔"

فاضل معترض نے اپنے خط میں اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ یہ ایک مشہور حدیث ہے اور طبری نے خاص اسی حدیث کے لیے ایک علیحدہ رسالہ تصنیف کیا ہے جس کے اندر اس حدیث کو ۹۵ طریقوں سے روایت کیا ہے۔ معترض موصوف کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ وہ حدیث نہیں ہے جو ہم زیر بحث لائے ہیں، یہ دوسری حدیث، سنت کی کتابوں میں ملتی ہے، اور اس کے الفاظ اس حدیث سے بالکل مختلف ہیں، جس کے موضوع ہونے کا ہم نے فیصلہ کیا ہے، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" "جس کا میں آقا یا محبوب ہوں، اس کا یہ (علی) بھی ہے" اسی حدیث کو ذہبی وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے اور اسی کے متعلق سیوطی نے یہ دعوی کیا ہے کہ یہ متواتر ہے۔ ہمیں بھی اس سے انکار نہیں، ہمارا ایمان ہے کہ علیؓ ہمارے مولا، امام اور ہمارے رسول کے ابن عم ہیں۔ اب میں فاضل معترض کی ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی کر دینا چاہتا ہوں۔ موصوف نے جس جریر کا ذکر فرمایا ہے وہ، وہ جریر نہیں ہے جس کی تفسیر اور تاریخ کا چار دانگ عالم میں شہرہ اور چرچا ہے۔ اس کے متعلق سابق الذکر مشہور شیعی عالم لکھتا ہے کہ "میرا خیال ہے کہ اس کی ماں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طبرستان کے قبیلہ بنو جریر سے تعلق رکھتی ہے اور یہ مشہور شیعہ قبیلہ ہے، اس کا دجریہ نام اس کے ماموؤں کی طرف منسوب ہے، اس کے حسبِ ذیل اشعار سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے :-

(۱) فاٰمل مولدی و بنو جریر فاخوالی ویحکی المرء خالہ

آمل میری جنم بھومی اور بنو جریر میرے ماموں ہیں اور انسان (اپنی خصوصیات میں) اپنے ماموں ہی سے مشابہ ہوتا ہے۔

(۲) فمن یك رافضیاً عن ابیہ فانی رافضی عن کلالہ

لوگ آبائی رافضی ہوتے ہیں مگر میں ننہالی رافضی ہوں

ہم نے جو کچھ پیش کیا ہے، اس سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ فاضل معترض کا یہ الزام غلط ہے کہ ہم دوسروں پر عیب چینی کرنے کے لیے، سنت سے کھیلتے، زہر کا بیج بوتے اور لوگوں کے درمیان افتراق و انتشار پیدا کرتے ہیں، بلکہ اس کے برعکس موصوف نے خود ہماری معروضات کے ساتھ یہی کچھ کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ علماء جس حدیث کو موضوع قرار دیتے ہیں، وہ صحیح اور مشہور حدیث ہے بلکہ متواتر۔ خود ہی غور فرمائیے کہ کون سنت کے ساتھ کھیل رہا ہے اور کون دوسروں کی تنقیص کے درپے ہے۔

رہا لفظ رافضہ کا استعمال تو یہ بھی کوئی قابلِ اعتراض نہیں ہے، یہ ایک علمی اصطلاح ہے جو غالی شیعوں کے لیے بولی جاتی ہے، اس کو سیاست یا جذبہ پرستی سے کوئی علاقہ نہیں، رافضہ اتنے غالی تھے کہ ان کی متعرضِ تکفیر سے ۱۳ یا ۱۵ اصحابہ کے علاوہ کوئی محفوظ نہ رہ سکا۔

انہی لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے سابق الذکر شیعی عالم ابن ابی الحدید نے یہ اعتراف کیا ہے کہ انہی لوگوں نے سب سے پہلے آنحضور کی طرف غیر صحیح حدیثیں منسوب کیں، تاکہ حضرت علی کے فضائل و مناقب میں اضافہ کریں، حالانکہ حضرت علیؓ کو ان کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔

جب ہم رافضہ کا لفظ مکفرینِ صحابہ، جن کے توسط سے ہمیں قرآن ملا، کے لیے استعمال کرتے ہیں تو اس سے مقصود جمہور شیعہ کو ان کے جھوٹ اور زیادتیوں سے بری قرار دینا ہوتا ہے، اور میں یہ کبھی بھی باور کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ میرے محترم دوست یا ان کے علاوہ دوسرے شیعی اکابر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علماء یہ پسند فرمائیں گے کہ ابوبکر، عمر اور جمہور صحابہ کی تکفیر ان کی طرف منسوب کی جائے، حالانکہ انسانیت کی آنکھوں نے ان جیسے اخلاق کے مجسمے اور طلبِ رضا کے پیکر نہیں دیکھے۔

مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے درمیان اختلافات کی خلیج کو پاٹ کر، انہیں اتحاد و اتفاق کے مرکز پر اکٹھا کرنا نہایت اہم اور عزیز مسئلہ ہے، جو کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور خدا شاہد ہے کہ ہم لوگوں کو اس کی دعوت دیتے اور اس کے لیے عملاً جدوجہد کرتے ہیں اور ہماری عملی زندگی اس کا بولتا نمونہ ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ ہم اس اتحاد و اجتماع کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہیں، جس کے پیچھے صحابہ کے خلاف تعصب اور ان کے دین و تقویٰ اور امانت کے متعلق بدظنی پنہاں ہو، بلکہ ہمیں تو اس قسم کے تصور سے عجمی نسلیت پرستی کی بُو آتی ہے، جس نے اسلام پر ڈاکہ ڈال کر، نبی کے خلفاء اور اس کے مشن کے حاملین کے بارے میں، لوگوں کو تشکک اور تذبذب میں مبتلا کر دیا۔ اتحاد و اجتماع کا اصل مفہوم تو یہ ہے کہ ہم قرآن اور ثابت شدہ سنت کو ثالث تسلیم کر کے اپنے فیصلوں کو ان کے حوالہ کر دیں، تو کیا کتاب اللہ اور صحیح سنت کے اندر کہیں بھی یہ بات ملتی ہے کہ ۱۳ یا ۱۵ صحابہ کے علاوہ سب کافر تھے؟

امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت علیؓ کے حوالہ سے انہی کے بارے میں یہ حدیث نقل فرمائی کہ "مجھے تم میں عیسیٰ بن مریم کی جھلک نظر آتی ہے، یہود نے آپ سے اس قدر بغض کیا کہ ان کی عفت مآب ماں بھی ان کے اتہام سے نہ بچ سکیں، اور نصاریٰ نے ان سے اتنی محبت کی کہ ان کو ان کے صحیح مقام سے بھی نیچے گرا دیا۔" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: "مجھ سے متعلق دو قسم کے لوگ ہلاک ہونگے، (۱) مجھ سے محبت میں غلو کرنے والا جو میری ناجائز تعریف و توصیف کرے، (۲) مجھ سے اس حد تک دشمنی کرنے والا جس کا بغض اسے میرے خلاف اتہام طرازی پر ابھارے۔"

خدا یا تو شاہد ہے کہ علی کی محبت ہمارے دلوں کی شریانوں میں رچی بسی ہے اور ہم ان کا وہ اونچا مقام تسلیم کرتے ہیں، جو جمہور صحابہ کے اندر ان کو حاصل تھا، مگر ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان کی محبت میں افراط و تفریط سے کام لیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعارفِ کتب

نظرۃ اجمالیۃ فی تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ فی الھند والباکستان	صفحات ۱۶۰۔ شائع کردہ لجنۃ الشباب المسلم قاہرہ مصر۔ قیمت ۷ قرش تقریباً ۱۲ آنہ مصنف

مولانا مسعود عالم صاحب ندوی۔

زیرِ نظر کتاب فاضل مصنف کی اسی موضوع پر ایک مفصل کتاب کا خلاصہ ہے۔ مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ وہ اپنی دینی بصیرت، علمی تبحّر، اسلامی تاریخ کے وسیع معلومات، عربی زبان کے ادیب و نقاد اور بلاد عربیہ کی سیاسیات اور اس کے رجال سے واقف ہونے کی بنا پر نہ صرف برصغیر ہند و پاکستان کے حلقۂ علما میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں، بلکہ عالم اسلام کے ادبا و علماء میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ فاضل مصنف کا امتیازِ خاص حق گوئی اور بے لاگ تنقید و تبصرہ ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں بھی فاضل مصنف تاریخی واقعات کے بیان کرنے اور رجال تاریخ پر تنقید کرنے میں اپنی نمایاں خصوصیت کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ صوفیاء کے عجمی تصوف اور دینی مدرسوں کے نصابِ تعلیم میں معقولات کی کتابوں کی کثرت، فقہ کی کتابوں سے والہانہ وابستگی اور قرآن و سنت سے غفلت پر سخت نکتہ چینی کی ہے جو قدیم مدرسوں کے تعلیم یافتہ حضرات کو بہت گراں گذری ہوگی۔ لیکن حقیقت نگار مورخ جب کبھی کبھی ابن حزم کا قلم مستعار لے لیتا ہے تو لوگوں سے افراد کی ناخوشی و ناپسندیدگی کی کب پروا ہوتی ہے۔

کتاب کا بڑا حصہ برِصغیر ہند و پاکستان کی اسلامی دعوت کی گذشتہ تاریخ پر مشتمل ہے۔

موصوف نے اجمالی طور پر ان عرب تاجروں کی تبلیغ اسلام کا ذکر کیا ہے جو عراق و خلیج فارس سے سامانِ تجارت کے ساتھ اسلام کا تحفہ بھی اپنے ساتھ لائے تھے اور قبل تقسیم ہندوستان کے

© rasailojaraid.com